الکتاب

(تحریر)
محمود مرزا جہلمی
چیف ایڈیٹر ہفت روزہ صدائے مسلم لاہور

آغاز تحریر سے شاید قارئین محترم محسوس کریں کہ میرا موضوع، قرآن مجید میں مرقوم ومذکور ''موافقاتِ فاروقی'' ہے۔ مگر نہیں! البتہ قرآن مجید کی بصورت ''الکتاب'' تدوین، تالیف اور شیرازہ بندی کے سلسلے میں ''موافقاتِ فاروقی'' کا حوالہ لازم ہے۔ اس ضمن میں جو توافق فاروقی میں بیان کرنے جارہا ہوں، وہ ان کے دیگر موافقات سے بالکل جداگانہ، الگ اور انوکھا ہے۔ وہ اس طرح کہ عہدِ نبویؐ میں فاروقؓ جو تمنا کرتے تھے وہ عرش سے وحی میں ڈھل کر جناب رسالت مآب ﷺ پر اتر آتی مگر قرآن عزیز کو ''الکتاب'' کا جامہ پہنانے کیلئے، عرش والے نے حضرت عمر فاروقؓ کے قلب منور میں ایک داعیہ القا کیا۔ یہ داعیہ ایک امکانی خدشہ کی شکل میں ضمیر فاروقی میں اٹھا۔

پس منظر اس داعیہ یا امکانی خدشہ کا یہ تھا کہ اَزمنہ نبویؐ وصدیقیؓ میں حفاظ وقراء صحابہؓ کی بڑی تعداد مرتبہ شہادت پر فائز ہو چکی تھی یا مرورِ ایام کے ساتھ ساتھ داعیٔ اجل کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اس عالم فانی سے عالم باقی کو جا چکی تھی۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دل میں یہ خدشہ پیدا ہوا کہ وہ قرآن جو حلال جانوروں کی پوست و استخواں، سنگ وچوب کی الواح یا کہیں کہیں صفحات قرطاس پر لکھا ہوا، منتشر ومتفرق تھا یا شہداء، حفاظ وقراء صحابہؓ کے سینوں میں محفوظ تھا، مبادا محو اور گم ہو کر رہ جائے۔

یہاں یہ بات یاد رہے کہ یہ خدشہ صرف قلب فاروقؓ میں القا ہوا تھا۔ اس سے پہلے حضرت صدیق اکبرؓ اور جماعت صحابہ کرامؓ میں سے کسی کو یہ خدشہ نہ تو محسوس ہوا تھا اور نہ ہی اس کا کوئی حل نکالنے کیلئے ان کے درمیان کوئی غور وفکر جاری تھا۔ کوئی بحث ومکالمہ ان کے درمیان نہ ہوا تھا کہ اچانک حضرت عمر فاروقؓ نے اس امکانی خدشہ کا اظہار کیا اور ساتھ ہی اس کا حل بھی پیش کر دیا کہ متفرق ومنتشر اجزاء وحصص قرآنی کو جمع کر کے ''الکتاب'' کی صورت میں مدون وشیرازہ بند کر دیا جائے۔

قرآن مجید کا آغاز ﴿الٓمٓ ۝ ذالک الکتاب﴾ سے ہوا ہے۔ اس کے علاوہ متعدد مقامات پر اسے ''الکتاب'' سے کتاب کے سوا کوئی دوسرے معانی متبادر نہیں ہوتے۔ ہاں، اصطلاحی مفہوم کی بات الگ ہے۔ للہذا

اسے کتابی شکل میں مدون اور شیرازہ بند کرنا، قرآنی نص کے تحت ہے، کسی اجتہاد یا اجماع کے تحت نہ ہے۔ یہ کہ اگر یہ نص تھی تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ کام خود کیوں نہ سر انجام دیا؟ اس کا حتمی جواب تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے البتہ امکانی جواب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو تبلیغ اسلام، کفار کی شدید مخالفت، ہجرت، جہاد، صحابہؓ کی تنگ دستی، اصحابِ صفہ کی کفالت، اپنے اہل وعیال کی دیکھ بھال، یہود مدینہ کی شرارتوں کا انسداد، منافقین کی سازشوں کا مقابلہ کرنے جیسے سینکڑوں مسائل کا ہمہ وقت سامنا رہتا تھا۔ ایسے حالات میں آپؐ اس عظیم کام کیلئے وقت نہ نکال سکتے تھے اور آخری جواب یہ کہ مشیتِ الٰہیہ یہی تھی۔

ہم حضرت عمر فاروقؓ کے ایک دوسرے داعیہ کا ذکر کر کے ثابت کریں گے کہ تدوین، تالیف اور بصورتِ کتاب قرآن مجید کی شیرازہ بندی کا داعیہ، دراصل منشائے الٰہیہ سے ان کا توافق تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دل میں ایک بار مہر کی رقم مقرر کر دینے کا داعیہ پیدا ہوا اور آپؓ نے اس کا اظہار فرمایا تو ایک صحابی عورت نے اس ضمن میں قرآنی لفظ ﴿قنطار﴾ کا حوالہ دے کر ان کے داعیہ کو چیلنج کر دیا اور آپؓ اپنے ارادہ سے دستبردار ہو گئے۔ ہم کہتے ہیں قرآن کی تدوین کے متعلق ان کا داعیہ، اگر داعیہ حق تعالیٰ کے موافق نہ ہوتا تو صحابہ کرامؓ یقیناً اس کی مخالفت میں اٹھ کھڑے ہوتے۔

گفتۂ او، گفتۂ اللہ بود ...... گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

پس قرآن مجید منشائے الٰہیہ سے حضرت عمر فاروقؓ کے توافق کے نتیجے میں مدون و شیرازہ بند ہو کر ''الکتاب'' کے قرآنی مفہوم کے مطابق کتابی شکل میں منضبط ہوا جو پہلے درجہ میں نص کے تحت ہے اور پھر عظمت حضرت عمر فاروقؓ میں ایک بیش بہا اضافہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی منشا و مرضی کو فاروقؓ کے ذریعے دنیا میں نافذ کیا۔

دوسرا حوالہ ﴿ان علینا جمعه وقرانه○ فاذا قرانه فاتبع قرانه○ ثم ان علینا بیانه﴾ [القیامۃ: ۱۷، ۱۸، ۱۹] ''اس کا جمع کرنا اور (آپ کی زبان سے) پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔ ہم جب اسے پڑھ لیں تو آپ اس کے پڑھنے کی پیروی کریں۔ پھر اس کا واضح کر دینا ہمارے ذمہ ہے۔''

تدوین کے اندر جمع کا مفہوم داخل ہے۔ یہ اس کے لغوی معنی میں شامل ہے۔ تدوین کیلئے پہلا قدم جمع قرآن کا تھا جسے اللہ تعالیٰ نے اپنا فعل اور اپنی ذمہ داری فرمایا ہے۔ یہ دوسری نص ہے جو قرآن مجید کے اجزائے

متفرق وحصص منتشر کو جمع کر کے کتابی شکل میں منضبط کرنے پر دال ہے۔

فرض کریں کسی مصنف نے کوئی کتاب لکھنے کا ارادہ کیا اور اس نے سینکڑوں صفحات لکھے اور ڈھیر لگا دیا۔ اس پشتارہ پر کتاب کا لفظ نہیں لگ سکتا۔ اسے آپ زیادہ سے زیادہ کتاب کا مسودہ کہہ سکتے ہیں مگر کتاب ہرگز نہیں کہہ سکتے۔ اسی طرح قرآن کے اجزائے متفرق وحصص منتشر پر ''الکتاب'' کا لفظ نہ لگ سکتا تھا جبکہ حقیقت میں یہ ''الکتاب'' تھا۔ منشائے الٰہیہ اسے ''الکتاب'' کا کماحقہ' مصداق بنانے کی تھی کیونکہ ''الکتاب'' اس کا نام تھا۔ سو اسے ''الکتاب'' کا مصداق بنانے کیلئے فاروق اعظمؓ کا داعیہ، داعیہ حق سبحانہ' کے موافق تھا۔

حضور اکرم ﷺ نے بوقت رحلت فرمایا (**ترکت فیکم أمرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما کتاب الله وسنتی**) ''میں تمہارے لئے دو چیزیں یعنی کتاب اللہ اور اپنی سنت چھوڑے جا رہا ہوں جب تک تم ان پر کاربند رہو گے، ہدایت پر رہو گے۔'' حالانکہ قرآن، اس وقت کتابی شکل میں موجود نہ تھا۔ میرے خیال میں قرآن مجید کو کتاب کی شکل دینے کے متعلق حضور ﷺ کی یہ وصیت بھی جسے حضرت عمر فاروقؓ نے پورا کیا۔ سو اس کو کتابی شکل میں مدون کرنا اللہ اور اس کے رسول کا حکم تھا لہٰذا اسے صحابہؓ کا اجتہاد نہ کہنا چاہئے۔

اگر تدوین وتالیف قرآن مجید کے عمل کو صحابہ کرامؓ کے اجتہاد یا اجماع کے تحت کہا جائے تو اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ قرآن کو کتاب صحابہؓ نے بنایا ہے حالانکہ اسے خود اللہ تعالیٰ نے ''الکتاب'' بنایا ہے۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ تدوین آخر تو صحابہؓ نے ہی کی اور انہی نے اسے کتابی شکل دی تو ہم بھی آپ کے ہم نوا ہیں...... پر ہم آپ کی توجہ ایک بار پھر اس باریک نکتہ کی طرف منعطف کرانا چاہتے ہیں جس سے زمین آسمان کا فرق پڑ جاتا ہے۔ نکتہ یہ ہے کہ اجتہاد وہاں ہوتا ہے جہاں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ خاموش ہو جبکہ یہاں واضح حکم موجود ہے ''جمعہ''۔ بتایا جائے یہ نص ہے یا نہیں ہے کیا یہاں کتاب اللہ خاموش ہے؟ لہٰذا اس کا جمع کرنا اور اسے کتابی شکل دینا ''جمعہ'' کی نص کے تحت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی اس نص کو عملی جامہ پہنانے کیلئے قلب فاروقؓ میں قرآن کے گم ہو جانے کا مہیب خدشہ القا کیا اور انہوں نے سب سے پہلے خلیفۃ الرسول سیدنا ابوبکر صدیقؓ سے اس کا اظہار کیا اور قرآن کو کتابی شکل میں مدون کرنے کی تجویز پیش کی۔ حضرت صدیقؓ قدرے متردد ہوئے کہ ایسا کام کیسے کریں جو حضور اکرم ﷺ نے نہیں کیا۔ یہ خوفِ بدعت کے تحت تھا۔ غور کرتے رہے تا آنکہ آپؓ کا سینہ کھل گیا اور اس کام کے کرنے کا حکم زید بن ثابتؓ کو دیا۔ پہلے وہ بھی خوف بدعت کے تحت متامل ہوئے۔ غور کیا تو ان کا بھی شرح صدر ہو گیا۔ لیکن

حضرت صدیقؓ نے یہ مسئلہ اجتہاد کیلئے صحابہؓ کے کسی فورم میں پیش نہیں کیا تھا، جہاں بحث و تمحیص اور غور و فکر کے بعد تدوین قرآن پر اجماع ہوا ہو۔ حضرت ذوالنورینؓ بھی خود ہی اس کے قائل ہو گئے۔

میں اس نکتہ پر بار بار زور اس لئے دے رہا ہوں کہ قرآن کو کتابی شکل میں مدون کرنے کا زبردست کام اگر اجتہاد یا اجماع کے تحت کہا جائے گا تو یہ ماننا پڑے گا کہ اس باب میں کتاب اللہ خاموش تھی جبکہ حقیقت اس کے الٹ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اسے بار بار ''الکتاب'' کہنا، رسول اللہ ﷺ کا وصیت کے طور پر اسے کتاب اللہ فرمانا اور اللہ تعالیٰ کا ''جمعہ'' کے تحت اس کی تدوین کو اپنا فعل فرمانا، واضح نصوص ہیں جن کے تحت متفرق و منتشر اجزائے قرآنی جمع ہوئے، کتابی شکل میں منضبط ہوئے اور ''الکتاب'' کا مصداق ہوئے۔

مشیت الٰہیہ یہی تھی اور اسی پر عمل ہونا تھا۔ تدوین قرآن کا مہتم بالشان کارنامہ، اس حکمت بالغہ کے تحت حضرت ذوالنورینؓ، زید بن ثابتؓ اور حفاظ صحابہؓ کے ذریعے انجام دلایا گیا کہ خلافت راشدہ علی منہاج نبوت تھی جس کے دور میں ان نفوس قدسیہ نے منشائے الٰہیہ کے توافق میں یہ کارِ عظیم سرانجام دیا۔

عہد نبوی تک تین کتب آسمانی تحریف در متن و مواضع کے باوجود کتابی شکل میں موجود تھیں لہٰذا قرآن مجید کا کتابی شکل میں مدون ہونا کوئی انوکھا کام نہ تھا۔

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ جمع قرآن کے دوران اس کی وہی ترتیب برقرار ہے جو حضور اکرم ﷺ نے اسے دی تھی۔ بیک وقت ایک سے زیادہ سورتوں کا نزول ہوتا رہا۔ آپؐ نزول وحی کے بعد کاتب وحی کو طلب فرماتے اور وحی املا کراتے اور منزل آیت یا آیات کو حسب الہدایت وحی کسی سورت کی آیات سے پہلے یا پیچھے رقم کراتے۔ حفاظ صحابہؓ نے اسی ترتیب سے قرآن کو حفظ کیا تھا۔ آغازِ کار پر ازواج مطہراتؓ نبیؐ، صحابہ کرامؓ اور قراء حضراتؒ سے، جتنے اجزائے قرآنی ان کے پاس موجود تھے، طلب کئے گئے۔ ان سب کو باہم تقابل کر کے دیکھا گیا اور ترتیب میں کامل توافق قرطاس پر منتقل کیا گیا اور اس کی شیرازہ بندی کر کے ''الکتاب'' کر دیا گیا۔ اس ''الکتاب'' کی کئی نقول تیار کر کے سارے عالم اسلام کے مراکز کو ارسال کر دی گئیں۔ ازاں بعد تمام اجزائے متفرق کی صورت میں قرآن موجود تھا، ان کا تقابل دربارِ خلافت سے مرسلہ ''الکتاب'' سے کرا کے اسے ہر لحاظ سے درست پایا۔ یوں حفاظت قرآن کا پورا پورا اہتمام اللہ تعالیٰ نے فرما دیا اور صحابہؓ کے اس فعل کو اپنا فعل قرار دیا۔

قرآن جب عجمی مسلمانوں تک پہنچا تو ایک نیا مسئلہ پیدا ہو گیا کہ وہ اس کی درست تلاوت سے معذور

تھے۔ حجاج بن یوسف نے اس کا حل نکالا اور عرب ماہرین قرآن وحفاظ وقراء کے ذریعے قرآن پر اعراب لگوائے جو اتنے درست اور مستند تھے کہ آج تک فتحہ وکسرہ تک درست ہیں۔ یہ اس قرآن کی حفاظت کا بندوبست تھا جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذمہ داری کہا ہے یہ کارنامہ اس حجاج کا ہے جو تاریخ کی بے رحم عدالت میں بڑا اسفاک تھا۔ کیا اس کا یہ فعل، اللہ کی پسند کے تحت تھا یا نہیں اس کا فیصلہ، اللہ تعالیٰ میدان حشر میں کریں گے۔ یہ وہی حجاج ہے جس کے نام کی دہائی ان مسلمان خواتین نے دی تھی جن کو راجہ داہر کے بحری قزاقوں نے پکڑا تھا اور جس نے اپنے برادرزادہ محمد بن قاسم کو سندھ کی تسخیر کیلئے روانہ کیا تھا۔

یہی سندھ ہے جسے آج ہم باب الاسلام فی الہند و پاک کہتے ہیں۔ اس باب الاسلام کے وا کرنے اور اسے خلافت اسلامیہ کا حصہ بنانے سے حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمان پورا ہوا: ''مجھے ہند سے اسلام کی خوشبو آرہی ہے۔'' کیا اس فرمانِ نبویؐ کی تکمیل میں حجاج کا بھی کوئی حصہ بنتا ہے یا نہیں؟ میں کہتا ہوں کہ اگر حجاج مسلمان خواتین کی دہائی سنی ان سنی کر دیتا اور اگر اس کی اسلامی حمیت جوش میں نہ آتی اور اپنے سترہ سالہ بھتیجے کو کیل کانٹے سے لیس لشکر دے کر تسخیر سندھ کے لئے نہ روانہ کرتا تو آج سندھ باب الاسلام نہ کہلاتا۔

ہمارا ایمان ہے کہ بندوں کے ناری یا ناجی ہونے کے فیصلے، اللہ تعالیٰ میدان حشر میں خود فرمائیں گے۔ ان نفوسِ قدسیہ کی قسمت باعث رشک ہے، جن کو اسی دنیا میں ان کے جیتے جی ''بشارت فی الجنۃ'' مل گئی اور جو ''رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ'' کے پیغام سے سرفراز ہوئے۔

مجھے ان حضرات سے سخت اختلاف ہے جو بندگان الہ کو دوزخی ٹھہراتے ہیں، جبکہ انہیں خود اپنے جنتی ہونے کی خبر نہیں دی گئی۔ ہاں، ہمیں ضرور حق حاصل ہے کہ ہم حسن ظن اور جذبہ خیر سگالی کے تحت اپنے کسی بھائی کو جنتی کہیں۔ اسی حسن ظن کے تحت ہمارے نیک نہاد اور خیر خواہ بزرگوں نے، سقہ (ماشکی) کے حسنِ عمل...... پیاسوں کی پیاس بجھانے، پر نظر کرتے ہوئے اسے بہشتی کا نام دیا تھا مگر ایک ہم ہیں کہ کلمہ پڑھنے والے مسلمانوں کو دوزخ میں ڈالتے ہیں۔ حجاج اور امیر یزید کا کلمہ گو ہونا، بلکہ تابعی ہونا اور حالت اسلام میں اس دنیا سے رخصت ہونا، ناقابل تردید حقیقت ہے۔ رہا یہ کہ کون ناری اور کون ناجی ہے، اس کا فیصلہ ''مالک یوم الدین'' نے ابھی کرنا ہے۔ دوسروں کو دوزخی کہنے والے عین ممکن ہے خود فی النار ہوں اور جنہیں وہ فی النار کہتے ہیں، وہ فی الجنۃ ہوں۔ ہمارے ایسے فیصلے اللہ تعالیٰ کے اختیارات میں صریحاً دخل اندازی ہے جو بذات خود بڑا جرم ہے۔ ہمیں اس روش سے باز آجانا چاہیے۔ تجھے پرائی کیا پڑی، اپنی نبیڑ تو! والحمد للہ رب العالمین